معجزات کی حقیقت

عبدالجبار*

ABSTRACT:

Miracle has been discussed for centuries by the thinkers, philosophers, theologians, Muslims and non-Muslim scholars. Most of the Muslim Scholars of their time are of the view that Miracle is the name of Super Natural appearance at the hands of the prophets. Contrary to that Non-Muslim philosopher and thinkers are of the opinion that the happening of miracle by any human being is impossible. Miracle being a part of the Sirah of the prophets has remained an interesting topic among scholars.

Since the topic of Miracle has been under discussion for a long span of time and there has been difference of opinions among variety of Muslim and Non-ءuslim scholars, this article therefore, explores and explains the reality of Miracle, its types, circumstances and objectives. It further, explains that whether Supernatural appearances have any existence or is there any possibility of its happenings.

This article however, also discusses and explains the common and specific traditions (Sunnah and Fitrat) of Allah and that both these traditions lie under the supreme sovereignty of Allah almighty, Despite that both demonstrative and conceptual miracles of different prophets have been discussed and that why all these miracles are diverse in nature from each other.

Keywords: Miracle, Prophets, Tradition, Nature, Sovereignty.

اللہ ربُّ العزت نے پوری انسانیت کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، پھر اس کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنے مخصوص، مقبول اور برگزیدہ بندوں کا أنبیاء ورُسُل کی صورت میں انتخاب فرمایا تاکہ وہ انسانیت کی ایسی راہنمائی کریں جس میں ان کی دنیا وآخرت کی تمام کامیابیاں مضمر ہوں۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کی تصدیق اور تائید کے لیے ان کو دعوتِ دین وپیغامِ حق کے ساتھ چند ایسی خارق العادت (عام معمول کے خلاف) علامات اور نشانیاں عطاء فرمائیں جن سے انبیاء کا غیر انبیاء سے امتیاز ظاہر ہوتا ہو۔ اور بشر ان کے مقابلہ اور معارضہ کرنے اور ان کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ ایک عام اور عقل سلیم رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو جان سکے کہ کون اللہ کا نبی ہے اور کون نہیں۔ ان علامات اور نشانیوں کو قرآن کی اصطلاح میں بیّنات، آیات اور براہین کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں ان کو معجزات کہتے ہیں۔

---

* عبدالجبار، ایم فِل، علوم اسلامیہ، جامعہ بلوچستان۔　　برقی پتا: jabbar_a68@yahoo.com

تاریخ موصولہ: ۲۰۱۵/۵/۷ء

دلچسپ بات یہ ہے کہ معجزہ کی اصطلاح مشہور اور مروّج معنیٰ میں نہ قرآن میں استعمال ہوئی ہے اور نہ احادیث مبارکہ میں نہ تو صحابہ کرامؓ نے اور نہ ہی تابعینؒ نے اس اصطلاح کو استعمال کیا۔ یہ اصطلاح بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں معجزہ کے لیے ''آیت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنیٰ علامت، نشانی اور منزل کے ہیں، لیکن قرآن مجید اور احادیث کے سیاق وسباق سے اس سے معجزہ مراد لیا جاتا ہے۔

معجزے کے لیے قرآن مجید کی ایک اور اصطلاح ''برھان'' ہے، جس کے معنیٰ ایک ایسی دلیل کے ہیں جو نا قابل تردید ہو اور اس سے بات صاف طور پر واضح ہو جائے۔ یہ دونوں اصطلاحات تو قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوئی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ اور ید موسیٰ کے لیے لفظ برھان استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس یہ دو دلیلیں (معجزات) ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے۔'' (۱)

دو اور اصطلاحات جو احادیث اور صحابہ کرامؓ کے اقوال میں بھی استعمال ہوئی ہیں اور بعد کے اسلامی ادب میں بھی آئی ہیں وہ ہیں ''دلیل'' اور ''علامت''۔ یعنی نبوت کی علامات اور نبوت کے دلائل۔ چنانچہ دلائل النبوّۃ کے نام سے مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ دلیل کے معنی راستہ بتانے والے اور منزل کا پتہ بتانے والے نشانات کے ہیں۔ گویا جس چیز کو ہم معجزہ قرار دے رہے ہیں وہ ہمیں راستہ بتا کر اس منزل تک لے جاتا ہے، جو ایمان، اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی پیغامِ رسالت کو مان لینے کی منزل ہے۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو قرآن، حدیث اور اسلامی ادب میں کثرت سے معجزہ کے لیے استعمال ہوئی ہیں۔ (۲)

معجزات اُنبیاءؑ کے اختیار میں نہیں:

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان معجزات کو ظاہر کرنا انبیاء و رُسل کے اختیار میں نہیں کہ وہ جب، جہاں، اور جو چاہیں تو دکھائیں، بلکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو اسبابِ عادیہ عامہ کے خلاف اور عادتِ خاصہ کے موافق، اپنی مرضی اور اختیار و قدرت سے ان کی حکمتیں، مقاصد و مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے، جس نبی کے ہاتھ پر جو کام صادر فرمانا چاہے، صادر اور ظاہر فرماتا ہے، نبی کی قوت و اختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں، دلیل اس کی یہ ہے: کہ اگر نبی کی قوت کا اس میں کوئی دخل ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس موسیٰؑ اپنے دل میں ڈرے۔'' (۳)

اور حضرت محمد ﷺ کو بعض فرمائشی معجزات کے مطالبہ پر یہ نہ فرمایا جاتا:

''پس اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سُرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں، پھر لاوے اُن کے پاس ایک نشانی (معجزہ)۔'' (۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت صالحؑ کے لیے پہاڑ کی چٹان

سے اُونٹنی کو نکالنا، حضرت موسیٰؑ کے لیے لاٹھی کو سانپ بنانا، حضرت عیسیٰؑ کی دعاء سے مردوں کو زندہ کرنا، حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کو گلزار بنانا اور حضرت محمد ﷺ کے لیے چاند کا دو ٹکڑے کرنا وغیرہ میں کسی نبی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔

معجزہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

معجزہ کے لغوی معنی

لفظِ معجزہ کا مادّۂ اشتقاق: عَجِزَ، یَعْجِزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی کسی چیز پر قادِر نہ ہونا، کسی کام کی طاقت نہ رکھنا یا کسی اَمر سے عاجز آ جانا وغیرہ ہیں۔ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں: ''عَجِزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ'' فُلاں آدمی کام کرنے سے عاجز آ گیا۔ ''اَیْ کَبُرَ وَ صَارَ لَا یَسْتَطِیْعُهٗ فَهُوَ عَاجِزٌ'' یعنی فلاں آدمی کام کرنے سے عاجز آ گیا۔(۵)

''یعنی ''عجز'' کے اصلی معنیٰ کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اس کا وقت نکل چکا ہو...... عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ ''اَلْقُدْرَةُ'' کی ضد ہے۔''(۶)

ایسے ہی ''اَلْعَجُوْزُ'' ۔وَالْعَجُوْزُ سُمِیَتْ لِعَجْزِهَا فِیْ کَثِیْرٍ مِنَ الْاَمْرِ۔'' اس عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے عاجز ہوں۔

اَلْمُعْجِزَةُ: یہ باب ''افعال'' جس کا مصدر ''اعجاز'' ہے، کا اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں عاجز کر دینے والا۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معجزہ کی تعریف بڑے مختصر انداز میں یوں بیان فرمائی ہے:

''معجزہ کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔''(۷)

لفظ ''عجز'' کا استعمال قرآن میں:

عجز کا لفظ اور اس کی لغوی مراد جو قرآن میں استعمال ہوئی ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''بولا ہائے خرابی! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا۔ (کوئے جیسا کام کرنے سے عاجز رہ گیا)''۔(۸)

''یاد رکھو! کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔''(۹)

''بولی ہائے خرابی! کیا میرا بچہ ہوگا حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے۔''(۱۰)

''بے شک جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے۔''(۱۱)

''اور جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ہار جیت کے ارادہ سے۔''(۱۲)

''اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل جانے والا نہیں۔''(۱۳)

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور جگہوں پر بھی لفظِ معجزہ اپنے لغوی اور لفظی معنیٰ میں ہی استعمال ہوا ہے، نہ کہ عام

اصطلاحی معنیٰ میں یعنی خارق العادت۔

''معجزہ'' کا اصطلاحی معنیٰ

معجزات سیرت انبیاءؑ کے اہم خصائص ہونے کی بنا پر اہل علم ونظر کے ہاں ہر دور میں زیر بحث و تحقیق رہے ہیں۔ ان کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر، بحث و تحقیق اور اعتراض وتنقید کا سلسلہ مدت طویل سے چلا آرہا ہے۔ یہ مباحث آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا مظہر ہونے کے باوجود سیرت نگاری میں اہم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اسی بنا پر ان حضرات نے نئی نسل، نئے زمانے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت نگاری میں گراں قدر اضافے کیے۔ لہٰذا مختلف اَدوار میں اَربابِ علم ونظر نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ چند اہم تعریفات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ''معجزہ اُس خارق العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مِثل لانے سے فردِ بشر عاجز آجائے۔''(۱۴)

(۲) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور اندلسی مالکی فقیہ اور سیرت نگار تھے، اپنی معروف کتاب ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں فرماتے ہیں:

> ''یہ بات بخوبی جان لینی چاہئے کہ جو کچھ انبیاء علیھم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لیے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مِثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔''(۱۵)

(۳) اِمام خازن رحمۃ اللہ علیہ معجزہ کی وضاحت تفسیر خازن میں اس طرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ اِنسانوں کے لیے) ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے اِس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ ''میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اُس کی (کامل) اِطاعت اور پیروی کرو۔'' اِس لیے کہ نبی و رسول کا معجزہ جو کچھ اُس نے فرمایا ہوتا ہے اُس کی حقّانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً وشرعاً) معجزہ کا نام اِس لیے دیا گیا ہے کہ اُس کی مِثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ اِنسانی عاجز ہوتی ہے۔''(۱۶)

(۴) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے سیرۃ المصطفٰے میں معجزہ کی تعریف یوں بیان کی ہے:

> ''معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعیٔ نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو، تاکہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہ شخص برگزیدۂ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لیے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہوجائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ کرسکے لہٰذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو وہ صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اور پیروی

سے حاصل ہوسکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب اور سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے اور کیا ہوسکتا ہے"۔(۱۷)

مولانا معین الدین واعظ الکاشفی الھروی، اپنی کتاب "معارج النبوّۃ فی مدارج الفتوۃ" میں معجزہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

"معجزہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اُس کے برگزیدہ نبی کے دستِ مبارک پر اِظہار ہے تاکہ وہ اپنی اُمت اور اہلِ زمانہ کو اُس کی مِثل لانے سے عاجز کردے۔"(۱۸)

(۵) علاّمہ تفتازانیؒ اپنی کتاب "شرح عقائد نسفی" جو کہ درس نظامی کی مشہور اور اہم کتاب ہے، میں لکھتے ہیں:

"معجزہ ایسا امر ہے جو مدعی نبوّت کے ہاتھ پر منکرین کو تحدی اور چیلنج کرنے کے وقت ایسے انداز پر ظاہر ہو جو منکرین کو اس کا مثل پیش کرنے سے عاجز کردے۔"(۱۹)

(۶) حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنی آخری تصنیف "بوادر النوادر" میں معجزہ کی بہت ہی بہترین اور جامع و مانع تعریف لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"معجزہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا، نہ جلیہ کو اور نہ خفیہ کو۔ نہ صاحبِ معجزہ کی کسی قوت کو، نہ خارجی قوت کو، وہ براہِ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا توسطِ اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے جیسا کہ صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا۔ پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا، کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کرسکتا ہے، ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانہ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین مؤید نہیں ہوسکتا۔ وھکذا کما ترٰی۔ یہی سبب ہے کہ معجزہ پر اس کے جنس کے ماہرین نے کوئی سبب خفی بتلا کر باقاعدہ شبہ نہیں کیا۔ نہ اس کی مثل کو ظاہر کرکے مقاومت کرسکے۔ بالخصوص اگر نبی کی قوت اس کا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام خود نہ ڈر جاتے اور حضور اکرم ﷺ کو بعض فرمائشی معجزات کی تمنا پر یہ نہ فرمایا جاتا:

"پس اگر تجھ سے ہوسکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سُرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں، پھر لاوے اُن کے پاس ایک نشانی (معجزہ)۔"(۲۰)

اور استناد الی الاسباب الخفیۃ کے احتمال پر معجزہ و دیگر عجائب طبعیہ میں کوئی فرق واقعی نہ رہتا۔"(۲۱)

(۷) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری میں معجزہ کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

''معجزہ کو معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جن کے سامنے وہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس کے معارضہ سے عاجز آجاتے ہیں۔اور معجزہ میں حرف ''ۃ'' مبالغہ کے لیے ہے۔یا لفظ معجزہ صفت اور اس کا موصوف محذوف ہے۔'' (۲۲)

مولانا عبدالحق محدث دھلویؒ نے اپنی کتاب ''مدارج النّبوۃ'' جو کہ دراصل فارسی میں لکھی ہوئی ہے، میں معجزہ کی تعریف یوں کی ہے:

(۸)''معجزہ امر خارق عادت که ظاهر گردد بدست مدعی نبوّت که مقرون باشد بتحدی۔'' (۲۳)

''یعنی معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہو [مخالف کو] چیلنج دینے کے ساتھ۔''

کیا خارق العادت ممکن ہے؟

معجزہ کی مندرجہ بالا تعریفات (جن کا مقصد و مفہوم تقریباً ایک ہی ہے) یعنی کسی نبیؑ کے ہاتھ پر خلاف معمول بلا اسباب عادیہ کے کسی کام کا ظاہر ہونا درانحالیکہ مخالفین میں سے کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکتا ہو، بعض اہل فکر و نظر، ارباب علم و دانش کے ہاں یہ سوال زیر بحث رہا ہے کہ کیا خارق العادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟

بقول قاضی سلیمان منصور پوریؒ اس سوال پر اہل قلم منقسم ہو جاتے ہیں۔ان کے نزدیک:

''ایک وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔] یہ اشاعرہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً کوئی قانون ہے اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو فعل صادر ہوتا ہے اس کو در حقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت میں پیدا کرتا ہے۔[ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب آوازیں کسی جاتی ہیں۔

دوسرے وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تنسیخ (خرق عادت) جائز نہیں سمجھتے۔یہ بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

(1) جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔[جیسے کہ فلاسفہ اور حکماء کا ایک گروہ۔]

(2) وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح سمجھا جائے۔

تیسرے وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں، اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے

سے اس قانون کے اندر موجود تھا۔ معجزات کے منکرین، مؤولین یا قائلین کا شمار انھیں اقسام ثلاثہ میں آجاتا ہے۔" (۲۴)

بعض محققین ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے ایک اور راہ اختیار کرتے ہیں وہ یہ کہ جب نہ صُحُفِ سماویہ میں لفظ "معجزہ" اور لفظ "خرق عادت" استعمال ہوا ہے اور نہ ہی احادیث نبویہ میں آیا ہے تو ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا؟ جبکہ ہم تو اسی قرآن وحدیث کی تعلیمات وہدایات کے پابند ہیں۔

قرآن مجید تو لفظ "آیت" استعمال کرتا ہے اور تورات وانجیل میں معجزہ کے لیے بھی لفظ "نشان" استعمال ہوا ہے، ملاحظہ ہو:

"جب بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اِس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں۔ وہ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جس طرح یوناہ نینوہ کے لوگوں کے لیے نشان ٹھرا اسی طرح ابن آدم بھی اِس زمانہ کے لوگوں کے لیے ٹھرے گا"۔ (۲۵)

اس لیے ہم بھی لفظ "آیت" ہی کا استعمال کریں گے۔

لفظِ "آیت" کا مفہوم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال:

لفظِ آیت کا معنیٰ عموماً نشانی (علامت) لیا جاتا ہے۔

اِمام راغب اِصفہانیؒ نے "المفردات فی غریب القرآن" میں لکھا ہے:

"اِس کے معنی علامتِ ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں۔ دراصل "آیة" ہر اُس ظاہر شئے کو کہتے ہیں جو دوسری ایسی شے کو لازم ہو جو اُس کی طرح ظاہر نہ ہو۔" (۲۶)

تاہم لفظ آیت کے استعمال میں چند فوائد اور بھی ہیں:

(1) یہ لفظ "آیت" نہایت وسیع المعنیٰ ہے۔

(2) اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے لفظ آیت کو قرآن میں کہاں کہاں اور کن کن معانی ومفاہیم کے لیے استعمال کیا ہے۔اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

I اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیت بتلایا:

"پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشانی بنادیا۔" (۲۷)

II اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتایا:

"ان کے لیے رات ایک نشانی ہے۔" (۲۸)

''دن اور رات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔''(۲۹)

III　انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا:

''اللہ کی نشانیوں میں سے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔''(۳۰)

IV　بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی ایت بتلایا:

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے۔''(۳۱)

V　آسمان وزمیں کی موجودہ بناوٹ واستقامت کو ایت بتلایا:

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔''(۳۲)

VI　امن عامہ، کشائش وآسودگی، ترفہ اور سرسبزی کو بھی ایت بتلایا:

''سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔''(۳۳)

VII　فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے ایت بتلایا:

''تاکہ تو پچھلے آنے والوں کے لیے نشانی بنے۔ اس لیے تیرا لاش باہر پھینکا جائے گا۔''(۳۴)

VIII　سیدنا حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو بھی ایت بتلایا:

''یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔''(۳۵)

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰؑ اور یدِ موسیٰؑ کی نسبت بھی استعمال فرمایا ہے جب ان کا ثعبان اور بیضاء ہو جانے کا امتحان قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے۔''(۳۶)

''یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں۔''(۳۷)

یعنی عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا تم کو منظور ہے۔

غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی نوح کو بچانا، شب وروز کو منظم شکل میں ایک دوسرے کے پیچھے لگانا، انسان کو مٹی سے پیدا کرنا، بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک، آسمان وزمین کی موجودہ بناوٹ واستقامت، اسی طرح یہ امن عامہ، کشائش وآسودگی اور سرسبزی، فرعون کی مردہ لاش کو محفوظ رکھنا، حضرت صالحؑ کے لیے چٹان سے اونٹنی نکالنا اور حضرت موسیٰؑ کے لیے اس کے ہاتھ کو چمکانا اور اس کے عصا (لاٹھی) کو سانپ بنانا وغیرہ سب کے سب اللہ رب العزت کی قدرت کی آیات (نشانیاں) بالفاظ دیگر معجزات ہیں کیونکہ ایسے کام کرنے سے تا قیامت نہ صرف پوری انسانیت، بلکہ پوری مخلوقات عاجز ودرماندہ رہے گی۔(۳۸)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ''قصص القرآن'' میں اس سوال کا بہترین جواب دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''معجزے کی یہ تعبیر کہ وہ خارق العادت شے کا نام ہے، غلط تعبیر ہے، اس لیے کہ اللہ کے قوانین قدرت یا نوامیس فطرت دراصل دو اقسام میں تقسیم ہیں، عادت عام اور عادت خاص، عادت عام سے قدرت کے وہ قوانین مراد ہیں جو باہم اسباب ومسببات کے سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں مثلاً آگ جلاتی ہے اور پانی خنکی پہنچاتا ہے اور عادت خاص کا مطلب یہ ہے کہ اسباب ومسببات میں علاقہ پیدا کرنے والے یدقدرت نے کسی خاص مقصد کے لیے سبب اور مسبب کے درمیانی رشتہ کو کسی شے سے الگ کردیا یا بغیر سبب کے مسبب کو وجود بخش دیا، جیسے کہ جلنے کے اسباب موجود ہونے کے باوجود کسی جسم کا آگ سے نہ جلنا، یا دو تین انسانوں کے قابل خوراک سے سو دوسو انسانوں کا شکم سیر ہوجانا اور اپنی اصل مقدار کی حد تک پھر بھی باقی بچ جانا۔

یہ دونوں باتیں چونکہ عام نگاہوں میں قانون قدرت کے خلاف ہیں اس لیے جب یہ اور اسی طرح کوئی شے رونما ہوتی یا اس کے وجود پذیر ہوجانے کی اطلاع دی جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قدرت کے قانون یا عادت اللہ کے خلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ قانون فطرت کی پہلی قسم یعنی عام عادت کے خلاف تو ہوتا ہے مگر خاص عادت کے خلاف نہیں ہوتا۔'' (۳۹)

عادت اللہ اور قدرت اللہ میں فرق:

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی مذکورہ بالا سوال کے جواب میں اپنے رسالہ ''اعجاز القرآن'' میں سیر حاصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

تین چیزیں ہیں: عادت اللہ، ارادۃ اللہ اور قدرت اللہ اور یہ تینوں الگ الگ ہیں۔ بسا اوقات عادت اللہ اور قدرت اللہ میں التباس ہوجاتا ہے۔ مثلاً عام طور پر ایسے امور کے متعلق جو ظاہری اسباب ومسبّبات کے خلاف واقع ہوں، کہا جاتا ہے کہ یہ قانوں قدرت کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ کہنا ہی غلط ہے اس لفظ کو لوگ غلط استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا کبھی کبھی اسباب ومسببات سے علیٰحدہ ہوکر محض اظہارِ قدرت کے لیے کسی کام کا ظہور قدرت اللہ کے خلاف نہیں اگرچہ عام عادت اللہ کے خلاف نظر آرہا ہوتا ہے۔

پس اسباب وعِلَل سے مسببات کو پیدا کرنا عادت اللہ ہے اور بلا اسباب، مسببات کو پیدا کرنا قدرت اللہ ہے۔ اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنایا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور عادت اللہ قدرت اللہ کے تابع ہے۔

قرآن حکیم نے بھی قدرت اللہ اور عادت اللہ میں فرق کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' (۴۰)

''قائم ہوجاؤ اُس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت

بدلی نہیں جاسکتی۔"(۴۱)

"پس تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔"(۴۲)

"یہی اللہ کا مقرر ضابطہ ہے جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری رہا ہے۔"(۴۳)

یہ اٹل عادت اللہ، فطرت اللہ اور سنّت اللہ ہے، جو دیکھنے والوں کے لحاظ سے اس میں کوئی تغیر و تبدیلی اس میں نظر نہیں آتی۔ اور نہ کوئی اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور جو کام عام عادت اور معمول کے خلاف بلا اسباب عادیہ کے نظر آئے ہیں وہ قدرت اللہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عادت اور قدرت میں فرق ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک شخص ہمیشہ عمامہ باندھنے کا عادی ہو یا کوئی ہمیشہ چاول کھاتا ہے یہ تو اس کی عادت ہوگی، مگر باوجود اس کے وہ ٹوپی اوڑھنے یا روٹی کھانے پر بھی قدرت رکھتا ہے، اسی کا نام قدرت ہے۔ ہر انسان اپنے اندر اس بات کو پاتا ہے۔ مثلاً: بیٹا اپنے کمزور باپ کو مار سکتا ہے (یہ اس کی قدرت ہے) مگر مارتا نہیں یہ اس کی عادت ہے۔

عادت اللہ اور قدرت اللہ کے درمیان فرق کو سمجھنے کے بعد اب یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عادت کی اقسام اور ان کے درمیان فرق کو بیان کیا جائے۔

عادت کی دو قسمیں ہیں: عادتِ عامہ اور عادتِ خاصہ

عادت عامہ

عادت عامہ وہ عادت ہے جو اکثر و بیشتر اوقات استعمال ہوتی رہتی ہے اور جاری رہتی ہے، وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی اور ہر خاص و عام اس کو سمجھ سکتا ہے۔

مؤقّتہ

یہ وہ عادت ہے جس کا ظہور گاہے بگاہے اور مخصوص اوقات میں ہوتا ہے اور عام لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے، بلکہ خاص لوگ اس کو سمجھتے ہیں۔ مثلاً: کوئی شخص ہمیشہ روٹی کھاتا ہے، مگر عید کے دن ہمیشہ چاول کھایا کرتا ہے۔ تو جس شخص نے اس کو عید کے روز چاول کھاتے نہ دیکھا ہو وہ کہے گا کہ چاول کھانا اس کی عادت نہیں، مگر جس نے دس بیس مرتبہ عید کی عادت بھی دیکھی ہو تو وہ کہے گا کہ روٹی کی طرح چاول کھانا بھی اس کی عادت میں شامل ہے۔ تو دیکھئے ایک عام مستمر عادت ہے اور دوسری خاص مؤقت، دونوں اپنے اپنے خیال کے مطابق درست کہتے ہیں، مگر دوسرے کا کہنا مطابق واقعہ ہے اس لیے کہ اس کو اس شخص کے تمام زمانے پر نظر ہے اور وہ اس کی عادت عامہ اور عادت خاصہ دونوں سے واقف ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے! کہ جس چیز کو ہم معجزہ کہتے ہیں وہ بھی براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، جو اس کی عام عادت کے اگرچہ خلاف ہے مگر اس کی خاص عادت کے عین موافق ہے، کیونکہ خاص خاص اوقات اور خاص خاص مصلحتوں کے وقت عام

عادت کو چھوڑ کر محض اپنی قدرت سے خوارق اور معجزات کا ظاہر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عادت ہے۔(۴۴)

معجزات کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا فرمائے ہیں، علماء اور محققین نے ان کو مختلف حیثیات سے تقسیم کیا ہے۔

معجزہ کے باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں ہیں:

(۱) کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا اُبلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ۔

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلاف عادت نہیں ہوتا مگر اس کا اس وقتِ خاص پر رونما ہونا خرق عادت بن جاتا ہے مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ کا آنا وغیرہ تمام تائیداتِ الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔

(۳) کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادت جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا مگر اس کا طریقۂ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے مثلاً اَنبیاءؑ کی دعاؤں سے پانی کا برسنا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا ٹل جانا وغیرہ جن میں سے کوئی بھی خلاف عادت نہیں اسی طرح ان کے ظہور کا کوئی خاص وقت بھی نہیں، لیکن جن طریقوں اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں۔ استجابتِ دعا اسی قسم میں داخل ہے۔

(۴) کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقۂ ظہور خارق عادت ہوتا ہے، بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً اَنبیاءؑ کی پیشن گوئیاں۔ ایک دفعہ زور سے آندھی چلی آنحضرت ﷺ مدینہ سے باہر تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق آندھی سے مرگیا۔ اس واقعہ کا قبل از وقت علم ہونا خارق عادت ہے۔

مؤمنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں:

اَنبیاءؑ کی زندگی علم ویقین دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کی تمام ہدایات وتعلیمات کا مقصود صرف ان ہی دو کی ترقی وتکمیل ہوتی ہے۔ اس لیے بعض معجزات کا اثر صرف علم ویقین پر ہوتا ہے ان سے کوئی عملی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ ید بیضاء، عصا، شق قمر وغیرہ اگرچہ بہت بڑے معجزات ہیں، لیکن ان کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ نے ایمان قبول کیا اور دوسرے نے انکار کیا۔

انبیاء علیہم السلام کے بعض معجزات ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے عظیم الشان عملی نتائج بھی ظاہر ہوتے ہیں مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ اگرچہ نہ پہنچ سکا، لیکن اس کے ذریعہ سے جو پانی کا چشمہ اُبلا وہ ان کے لیے حیاۃ بخش ثابت ہوا۔ پہلی قسم کے معجزات کو قرآن نے حجت، برھان اور سلطان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور ان سے علم ویقین کو ترقی ہوتی ہے جبکہ دوسری قسم کے معجزات کو تائید اور نصرت الٰہی کہا گیا ہے۔ پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال

کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن تائید اور نصرت الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔(۴۵)

منکرین کے لیے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں:

جس طرح مؤمنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں اسی طرح کفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے بھی معجزات کی دو قسمیں ہیں: آیت ہدایت اور آیت ہلاکت۔

اُنبیاء علیہم السلام پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور حق کی دعوت دیتے ہیں۔ کفار کی کثیر تعداد میں جو صالح الفطرت افراد ہوتے ہیں وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں اور مؤمن بن جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے جب مادہ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور زمین کو ان کی ناپاک وجود سے پاک کر دیتی ہے۔(۴۶)

فہم (سمجھنے) کے لحاظ سے بھی معجزات کی دو قسمیں:

معجزات حسیہ وہ ہیں جن کا ادراک حواس خمسہ سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلب گار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو عقلی اصول سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، جیسے عصا کا سانپ بن جانا اور حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا حضرت صالحؑ کے لیے پہاڑ سے اُونٹنی کا نکلنا وغیرہ ان معجزات کو زمانے کے تمام حاضرین نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

معجزات عقلیہ وہ ہیں جن کے سمجھنے میں عقل اور فہم درکار ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم جو کہ حضرت محمد ﷺ کا ایک ایسا زندہ اور جاودانہ معجزہ ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے لوگ اس کو پڑھ کر یک دم اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں، بلکہ یہ أَحْكَمُ الْحٰكِمِينَ کا کلام ہے۔(۴۷)

حضرت محمد ﷺ سے پہلے جتنے اُنبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان سب کو جتنے معجزات اللہ رب العزت نے عطاء کئے وہ سب حسی اور عملی معجزات تھے جیسے حضرت موسیٰؑ کا عصا اور ید بیضاء اور حضرت عیسیٰؑ کا احیاء موتیٰ وغیرہ اور یہ سارے معجزات اُنبیاءؑ کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سب ہی ختم ہو گئے۔ آج دنیا میں نہ عصا ہے اور نہ ید بیضا اور نہ ہی ناقۃ اللہ۔ جبکہ محمد ﷺ کا سب سے بڑا اور عظیم معجزہ قرآن ہے جو تا قیامت زندہ رہے گا اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات کو بھی محفوظ رکھے گا۔

اُنبیاءؑ کے معجزات ایک جیسے کیوں نہیں؟

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت اور سنت رہی ہے کہ جس نبی کو جس علاقہ اور قوم میں بھیجا اس کو وہ معجزہ دیا جو اس علاقے کے حالات، ماحول اور وہاں کے لوگوں کی ذہنی، عقلی، علمی، ثقافتی اور تمدنی سطح کے مطابق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ مصر میں تھے اور اس کے دور میں جادو کا بڑا زور تھا۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں فن جادو کے ماہرین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ فرعون کے حکم پر بڑے بڑے جادوگر جب اس کے دربار میں جادو کے مقابلے میں شریک ہوئے اور حضرت موسیٰؑ

نے ان سب کے جادو کو شکست فاش دے دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ اللہ کی طاقت کا مظہر (معجزہ) ہے، چنانچہ وہ بے ساختہ پکار اُٹھے:

"کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا پروردگار ہے۔" (۴۸)

حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ان کا عصا (لاٹھی) جو ضرورت کے مطابق مختلف اشکال میں ڈھل جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ فلسطین میں تھے۔ اس وقت فلسطین، شام، موجودہ اُردن اور عراق کا کچھ حصہ یہ سب مشرقی سلطنت روما کے حصے تھے۔ آپؑ کے زمانے میں یونانیوں کے علوم وفنون کا عروج تھا، یونانیوں کے ہاں طب کا بڑا زور اور چرچا تھا چنانچہ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وہ معجزات دیئے کہ دنیائے طب حیران و پریشان ہو کر رہ گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بذات خود ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے حکم سے کوڑھیوں اور برص والوں کو شفا، مادرزاد اندھوں کو بینائی عطا کرتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ کے حکم سے زندہ کرتے تھے۔ اور مٹی سے پرندے بنا کر اُڑاتے تھے۔

حضرت صالحؑ کا تعلق جزیرہ عرب سے تھا، ایک پہاڑی اور ریگستانی علاقہ تھا۔ کوئی لکھنے پڑھنے کا رواج یا کوئی علمی اور فکری زندگی موجود نہ تھی۔ نہ کوئی صنعت وحرفت تھی۔ ایک سیدھا سادا معاشرہ تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے مخاطبین کے افہام اوران کے مطالبہ کے مطابق ایسا ہی سیدھا سادہ معجزہ اُونٹنی کی شکل میں دیا۔ پھر اس اُونٹنی کی شرائط بھی رکھی گئیں۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جس علاقہ میں جو معجزہ دکھلایا جائے وہ اس علاقے کے اعلیٰ ترین انسانی کمال سے ماوراء اور اس کی عظمت کی انتہاء سے بہت آگے ہو۔ اور اہل زمانہ تسلیم کر لیں کہ یہ ہمارے بس سے باہر کی چیز ہے۔ ایک بنیادی صفت تو معجزہ کی یہ ہے۔ دوسری صفت جو پہلے تمام معجزات میں مشترک رہی ہے ہو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت رہی ہے کہ جب تک اور جس علاقے میں کسی نبی کی نبوت کارفرما رہی، اُس وقت تک وہ معجزہ باقی رہا۔ نبوت کے ختم ہونے کے ساتھ معجزہ بھی ختم۔ تیسری صفت یہ تھی کہ سابقہ تمام انبیاءؑ کو حسی معجزات دیئے گئے تھے۔ چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ سابقہ تمام انبیاء کے معجزات وقتی تھے، جو کہ ایک خاص زمانہ کے بعد ختم ہو گئے۔ (۴۹)

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کو جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے یعنی اہل عرب ان میں فصاحت وبلاغت کا چرچا تھا وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور باقی ساری دنیا کو عجم (گونگے) سمجھتے تھے، اس لیے ان کی فصاحت سے زیادہ فصیح الفاظ میں اللہ نے آپؐ پر قرآن نازل فرمایا اور ساری دنیا کو بالخصوص اہل عرب کو رہتی دنیا تک چیلنج کیا گیا کہ اس جیسا کلام بنا کر لاؤ، چاہے اس کے لیے تم جس سے مدد لینا چاہتے ہو لے لو، فصیح وبلیغ شعراء، انسان اور جنات اور ان کے معبودانِ باطلہ جن کی چاہے مدد لو لیکن اس جیسا کلام تم نہیں لا سکتے۔

حضرت محمد ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہ آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔اس لیے آپ ﷺ کا پیش کردہ معجزہ بھی ہمیشہ باقی رہے گا، جو اس نبوت کی تصدیق اور دلیل کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ جب تک حضرت محمد ﷺ کا دین باقی ہے، آپ ﷺ کا معجزہ بھی باقی رہے گا۔

معجزات کی شرائط اور ان کی حکمتیں:

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر (الجامع لاحکام القرآن) میں معجزہ کی پانچ شرائط بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ معجزہ نہیں کہلاتا۔ وہ پانچ شرائط حسب ذیل ہیں:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فعل اس قسم کا ہو جس پر حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو قدرت حاصل نہ ہو، مثلاً ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنا معجزہ یہ پیش کرتا ہے کہ وہ حرکت بھی کرتا ہے اور ٹھہرتا بھی ہے، اٹھتا اور بیٹھتا بھی ہے، لیکن اس کا یہ فعل معجزہ نہیں کہلائے گا کیونکہ اس پر اور مخلوق کو بھی قدرت حاصل ہے۔ ہاں سمندر کا رُک جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور اس قسم کے دوسرے واقعات معجزہ کہلائیں گے کیونکہ ان پر کسی انسان کو قدرت حاصل نہیں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل خارق عادت ہو، کیونکہ اگر کوئی شخص کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں رات کے بعد دن کو لانے والا ہوں اور مشرق سے سورج کو نکالنے والا ہوں تو اس کا یہ فعل معجزہ نہیں کہلائے گا، کیونکہ ان باتوں کو اگرچہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا، لیکن ایک تو اللہ تعالیٰ نے یہ اس کی نبوت کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے نہیں کیا۔ دوسرے یہ خارق عادت نہیں ہے بلکہ عادت کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ عصا کو اژدہا بنا دیتے یا اگر کسی پتھر کو پھاڑ کر اس کے درمیان میں سے کوئی اونٹنی نکال دیتے یا جس طرح کسی چشمہ سے پانی نکلتا ہے اسی طرح انگلیوں سے پانی نکال دیتے یا اس طرح کوئی اور خارق عادت واقعہ لے آتے، تو یہ معجزہ ہوتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مدعی نبوّت اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کہنے پر یہ معجزہ دکھلائے گا۔ مثال کے طور پر وہ یہ کہے کہ اللہ اس کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لیے اس پانی کو تیل بنا دے گا یا زمین کو اس کے لیے حرکت میں لے آئے گا۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ معجزہ مدعی نبوت کے دعویٰ کی تصدیق بھی کرے کہ میرے دعوی نبوت کی دلیل کے طور پر میرا ہاتھ یا یہ جانور بولنے لگے گا، لیکن اگر وہ بول کر یہ کہے کہ یہ شخص اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے۔ تو اگرچہ خرق عادت کے طور پر ہاتھ یا جانور بولا ہے، لیکن جو بولا ہے وہ اس کے دعویٰ کے خلاف ہے جیسے کہ روایت میں آتا ہے کہ مسیلمہ کذّاب نے کنویں میں اس غرض سے تھوکا کہ اس کا پانی زیادہ ہو جائے لیکن زیادہ ہونے کے بجائے اگلا پانی بھی سوکھ گیا۔ تو یہ فعل بھی معجزہ نہیں ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مدعی نبوت کے مقابلہ میں کوئی دوسرا شخص اس کی مثل نہ لا سکے، لیکن اگر دوسرا شخص بھی مدعی

نبوت کے مقابل میں وہی کام کر دکھائے تو اس مدعی نبوت کے معجزہ کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔اسی لیے قرآن حکیم میں معجزہ قرآن کے مقابلہ میں ساری دنیا کے انسانوں کو کہا گیا:

''تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر یہ دعویٰ میں سچے ہیں۔''(۵۰)

ایک اور جگہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''کیا یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے خود بنالیا ہے۔آپؐ فرما دیجئے کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ۔''(۵۱)

یعنی اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی ذہنی تخلیق ہے تو تم بھی اپنے ذہنی غور وفکر کے نتیجہ میں پورا قرآن نہیں بلکہ صرف دس سورتیں بنا کر لے آؤ۔اور اگر تم ایسا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز اور درماندہ سمجھتے ہو تو جان لو کہ یہ محمد ﷺ کی ذہنی تخلیق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔(۵۲)

قاضی عضدالدّین عبدالرّحمٰن الأیجیؒ نے اپنی کتاب ''شرح المواقف' 'اور علاّمہ محمّد علی بن علی بن محمد التھانوی الحنفیؒ نے اپنی کتاب ''کَشّافَ اِصطِلاحاتِ الفُنُونِ'' میں، معجزہ کے لیے سات شرائط لکھی ہیں۔ہم ان میں سے صرف دو شرطوں کا ذکر کریں گے باقی پانچ وہی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۱۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ معجزہ مدعی نبوت کو جھٹلانے والا نہ ہو، پس اگر اس نے کہا کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ یہ گوہ (ایک رینگنے والا جانور جو چھپکلی کے مشابہ ہوتا ہے،سُوسمار) بات کرے گی، پس گوہ بولنے لگی کہ یہ جھوٹا ہے،تو یہ اس کی سچائی پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ یہ اس کی جھوٹا ہونے کے اعتقاد کو اور مضبوط کرتا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ دعویٰ پر مقدم نہ ہو، بلکہ اس کے مقارن (ساتھ) ہی ہو،اس لیے کہ دعویٰ سے پہلے تصدیق کرنا کوئی معقولی بات نہیں۔پس اگر مدعی نبوت نے کہا کہ میرا معجزہ وہ ہے جو میرے ہاتھ پر پہلے ظاہر ہو چکا ہے،تو یہ اس کی سچائی پر دلالت نہیں کرتا،اور اگر دعویٰ کے بعد اس معجزہ کے لانے کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اس کے لانے سے عاجز ہو جائے تو یہ اس کو یقینی طور پر جھٹلانے والا ہو جائے گا۔(۵۳)

معجزات کی حکمتیں مقاصد اور فوائد:

جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بغیر کسی مصلحت اور حکمت کے نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کیا س کام یعنی ''معجزہ'' کی بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔معجزات کی اصل اور یقینی حکمتوں کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے،تاہم محققین ومفکرین نے قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے بشری طاقت کے مطابق ان میں سے چند حکمتوں کو بیان کیا ہے،جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱: ذہن انسانی سے اسباب عادیہ کے غیر مؤثر ہونے اور اس کو خالق ومالک حقیقی اور مُسبِّبُ الاسباب کی طرف پھیر دینا، کیونکہ انسان جب سلسلہ اسباب ومسبّبات کو دیکھتا ہے تو عموماً وہ اسباب کو مؤثر سمجھ بیٹھتا ہے اور جن کی

نگاہیں اسباب پر مرکوز ہیں ان پر خارق عادت کو ظاہر کر کے ان کے اذہان کو اسباب سے ہٹا کر مُسبّبُ الاسباب کی طرف پھیر دیا جائے جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب فرشتے نے حضرت ابراہیمؑ کو لڑکے کی ولادت کی خوشخبری دی۔حضرت ابراہیمؑ چونکہ بوڑھے ہو چکے تھے اور اس کی بیوی بھی بوڑھی اور بانجھ ہو چکی تھی، لہٰذا بشارت سُن کر زوجہ محترمہ کو تعجب ہوئی۔ یہ تعجب صرف اور صرف اسباب ظاہر یہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تھا، وگرنہ اللہ کی قدرت میں ان کو کوئی شک اور ریب نہ تھا۔فرشتوں نے کہا کہ تم کیوں تعجب کرتی ہو، تمہارا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔تم تو نبی کے گھر میں رہتی ہو، جہاں ہر وقت اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں اور اس سے بڑھ کر خوارق عادات اور عجائب کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

۲: دوسری حکمت یہ ہے کہ کبھی کبھی اپنے مد مقابل اور مخالفین کو عاجز کرنا اور ان کی تہدید اور تہذیب مقصود ہوتی ہے جیسے موسیٰؑ کے عصا نے اژدھا بن کر تمام جادوگروں (مخالفین) کے سانپوں کو نگل لیا تھا اور وہ سب موسیٰؑ کے مقابلہ میں عاجز آگئے تھے۔

۳: اظہار معجزہ سے مقصود کبھی نبی اور رسول کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے تاکہ اس کی شان بلند وارفع ہو۔اور رسولؑ کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ کو آیت کہتے ہیں، جس کے معنیٰ علامت اور نشانی کے ہیں۔

۴: کبھی مؤمنین کو بشارت دینا اور ان کے قلوب کو سکون واطمینان سے بہرہ ور کرنا مقصود ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''اور اس کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری اور تمہارے دلوں کا اطمنان بنایا ہے۔''(۵۴)

۵: معجزات کی ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک بڑی جماعت کو روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ مادی نفع پہنچایا جائے جیسے رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہونے سے کئی سو آدمی سیراب ہو گئے۔(۵۵)

۶: اس کے علاوہ ظہور معجزہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ منکرین رسالت پر نازل ہونے والے عذاب (جو معجزہ کی شکل میں ہو) سے عبرت کا سامان پیدا ہوتا ہے اور دوسری مخلوق کے لیے رحمت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ان کے علاوہ معجزات کیا ور بھی کئی فوائد، حکمتیں اور مصالح ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

محققین اور علماء نے خارق عادت اور معمول کے خلاف افعال کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

معجزہ کرامت معونت اِرھاص اِستدراج اہانت سحر

علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ نے اپنی کتاب ''النبراس''میں خوارق کی قسمیں اس طرح بیان کی ہیں:

(۱) اَنبیاءؑ کا معجزہ ہے۔(۲) اولیاء کرامؒ کی کرامت ہے۔(۳) عام مومن کی معونت ہے، جو نہ ولی ہے اور نہ فاسق۔

(۴) اعلان نبوت سے پہلے نبی کا ارہاص ہے، جیسے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پتھروں کا سلام عرض کرنا وغیرہ۔(۵) کافر اور فاسق کا استدراج ہے جب کہ وہ خرق عادت اس کی غرض اور دعویٰ کے مطابق ہو کیونکہ وہ استدراجاً (آہستہ آہستہ)

آتش دوزخ تک پہنچائے گا۔[جیسے دجال کا آسمان سے بارش برسانا،بنجرزمین سے پھل پھول اور سبزیاں اُگانا وغیرہ جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔] (۶) اہانت: وہ خرق عادت ہے جو کافر یا فاسق کی غرض کے خلاف ہو جیسے مسیلمہ کذّاب نے کلی کی تو پانی کھاری ہو گیا۔ایک بھینگے کی آنکھ کو ہاتھ لگایا تو وہ اندھا ہو گیا۔(۷) سحر (جادو) جو نفس شریر کے شیاطین کی امداد سے چند مخصوص اعمال کے بعد خرق عادت ظاہر ہو۔تاہم بعض علماء جادو کو خوارق میں شامل نہیں کرتے۔(۵۶)

مراجع وحواشی

(۱) الاعراف ۷: ۳۷

(۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی۔(۲۰۰۹)۔محاضرات قرآنی۔لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب۔ص ۲۵۵

(۳) طٰہٰ ۲۰: ۶۷ (۴) الانعام ۶: ۳۵

(۵) لوئیس معلوف۔(۱۳۸۷ھ)۔المنجد فی اللغۃ۔تہران:مطبوعات دار العلم۔ص ۴۸۸

(۶) ابوالقاسم حسین بن محمد الاصفہانی۔(س۔ن)۔المفردات فی غریب القرآن۔کراچی: قدیمی کتب خانہ۔ص ۳۲۵-۳۲۶

(۷) ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی۔(س۔ن)۔تفسیر قرطبی،الجامع لاحکام القرآن۔ج ۱۔کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ۔ص ۱۰۵

(۸) المائدہ ۵: ۳۱ (۹) التوبۃ ۹: ۲

(۱۰) ھود ۱۱: ۷۲ (۱۱) الانعام ۶: ۱۳۴

(۱۲) الحج ۲۲: ۵۱ (۱۳) الاحقاف ۴۶: ۳۲

(۱۴) لوئیس معلوف۔المنجد فی اللغۃ

(۱۵) قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیسیٰ۔الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ۔پشاور: مکتبہ شان اسلام۔ص ۱۶۳

(۱۶) علاؤالدین علی بن محمد بن ابراھیم الخازن۔(س۔ن)۔تفسیر الخازن۔ج ۲۔کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ۔ص ۱۲۵

(۱۷) مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔(س۔ن)۔سیرۃ المصطفے۔ج ۲۔کراچی: الطاف اینڈ سنز۔ص ۵۴۱-۵۴۲

(۱۸) مولانا معین الدین واعظ الکاشفی الہروی۔(۱۹۹۸)۔معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ۔لاہور: نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی۔ص ۲

(۱۹) سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی۔(س۔ن)۔شرح العقائد النسفیّۃ۔کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ۔ص ۹۸

(۲۰) الانعام ۶: ۳۵

(۲۱) مولانا اشرف علی تھانوی۔(س۔ن)۔بوادر النوادر۔ج ۲۔لاہور: ادارہ اسلامیات۔ص ۳۸۲

(۲۲) احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔(۲۰۰۱)۔فتح الباری۔ج ۶۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔الریاض: مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ اثناء النشر۔ص ۶۷۳

(۲۳) مولانا عبدالحق محدث دھلوی۔(۱۹۹۷)۔النّبوۃ۔لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی۔ج ۱ص ۱۷۳

(۲۴) منصور پوری،قاضی محمد سلیمان،رحمۃ للعالمین،فیصل آباد،مرکز الحرمین الاسلامی،۲۰۰۷ء ج ۳،ص ۲۰۷

(۲۵) کتاب مقدس یعنی پُرانا اور نیا عہد نامہ،لاہور: بائبل سوسائٹی،لوقا،ب ۱۱،ص ۶۵

(۲۶) ابوالقاسم حسین ابن محمد الاصفہانی۔ص ۴۱

(۲۷) العنکبوت ۲۹: ۱۵ (۲۸) یٰس ۳۶: ۳۷
(۲۹) حٰم السجدۃ ۴۱: ۳۷ (۳۰) الروم ۳۰: ۲۰
(۳۱) الروم ۳۰: ۲۴ (۳۲) الروم ۳۰: ۲۵
(۳۳) سبا ۳۴: ۱۵ (۳۴) یونس ۱۰: ۹۲
(۳۵) الاعراف ۷: ۷۳ (۳۶) القصص ۲۸: ۳۲
(۳۷) طٰہٰ ۲۰: ۲۳ (۳۸) قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین۔ ج ۳۔ ص ۲۰۹
(۳۹) مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی۔ (۲۰۱۱ء)۔ قصص القرآن۔ لاہور: المیزان ناشران وتاجران کتب۔ ص ۹۳
(۴۰) البقرہ ۲: ۲۵۳ (۴۱) الروم ۳۰: ۳۰
(۴۲) الفاطر ۳۵: ۴۳ (۴۳) المؤمن ۴۰: ۸۵
(۴۴) مولانا شبیر احمد عثمانی۔ (۲۰۱۲ء)۔ اعجاز القرآن۔ کراچی: مکتبۃ البشریٰ۔ ص ۱۴-۱۵
(۴۵) علامہ شبلی نعمانی۔ (۲۰۰۲ء)۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ ج ۲۔ حصہ سوم۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔ ص ۱۶۶-۱۶۷
(۴۶) ایضاً۔ ص: ۱۶۹-۱۷۰
(۴۷) مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ۔ ج ۲۔ ص ۵۱۳-۵۳۲
(۴۸) الاعراف ۷: ۱۲۲
(۴۹) محمود احمد غازی۔ محاضرات قرآنی۔ ص ۲۵۸-۲۶۰
(۵۰) الطّور ۵۲: ۳۴ (۵۱) ھود ۱۱: ۱۳
(۵۲) قرطبی، ابوعبداللہ محمد ابن احمد، تفسیر قرطبی، (الجامع لاحکام القرآن)، ج ۱، ص ۱۰۵-۱۰۷
(۵۳) محمد بن علی بن محمد تھانوی۔ کشاف اصطلاحات الفنون۔ ج ۳۔ کوئٹہ: مکتبہ نعمانیہ۔ ص ۲۳۷
نیز قاضی عضدالدین عبدالرحمٰن الایجی۔ (۲۰۰۹ء)۔ شرح المواقف۔ ج ۸۔ لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی۔ ص ۲۴۲-۲۴۶
(۵۴) الانفال ۸: ۱۰ (۵۵) محمود احمد ظفر (۲۰۰۴)۔ معجزات نبوی ﷺ۔ لاہور: المکتبۃ الاشرفیہ۔ ص ۱۹
(۵۶) محمد عبدالعزیز فرہاری۔ (س۔ن)۔ النبراس (شرح شرح العقائد)۔ کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ۔ ص ۴۳۰